نبی اور مصلح میں فرق

از

مولانا اخلاق حسین قاسمی دہلویؒ

پانچ اقساط پر مشتمل مقالہ

ماہنامہ دارالعلوم دیوبند

مارچ تا جولائی 1955ء

قسط اول:-

نبی اور مصلح میں فرق!

(مولٰنا اخلاق حسین قاسمی الدہلوی)

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ خدا تعالیٰ نے ہر قوم کی ہدایت کے لئے ہر دور میں نبی اور رسول بھیجے تاکہ وہ بھٹکے ہوؤں کو صحیح راستہ بتائیں۔

(۱) ولکل قوم ھاد۔ "ہر قوم کے لئے ہدایت کرنے والے آئے"
(القرآن الکریم)

(۲) وان من امۃ الا خلا فیھا نذیر۔ "کوئی امت ایسی نہیں جس کے پاس کوئی ڈرانے والا نہ پہنچا ہو"

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ رسالت اور نبوت کا منصب اتنا عام ہے کہ نہ اس کے لئے کچھ شرائط لوازم ہیں اور نہ اس منصب کے لئے روحانی اور علمی۔ عملی اور اخلاقی صلاحیت کی ضرورت اور نہ دہبی فطری امتیاز و خصوصیت کا کوئی خاص معیار مقرر ہے۔ صاحب شوکت بادشاہ انسانوں کے درمیان امن و امان قائم کرتے ہیں۔ فلاسفر انسانی اعمال و خیالات کے اسباب و علل کی تحقیقات کرتے ہیں۔ حکیم اور مصلح نہایت شیریں کلامی سے حکمت کی باتیں کرتے ہیں۔ سحر البیان خطیب اپنی خطابت سے لوگوں کے دل موہ لیتے ہیں۔ لیکن وہ پیغمبر نہیں ہوتے اور نہ انہیں نبی و رسول کہا جا سکتا ہے۔

نبی اور رسول جیسے مقدس الفاظ کا یہ کتنا غلط استعمال ہے کہ جس نیک انسان نے اپنی نیکیوں کی کشش یا قربانیوں کے اثر سے [illegible] لوگوں کو اپنے پاس جمع کر لیا، یا جس لیڈر نے چند نعروں سے فضا کو گرما کر مظلوموں کی ایک بھیڑ اکٹھی کر لی، یا جس رحم دل اور دردمند انسان نے نفرت۔ تعصب اور تنگ نظری میں گھری ہوئی قوم سے خدا ترسی، محبت اور یگانگی کی چند باتیں کہہ دیں اُسے اس کی خدمات پر خراج تحسین ادا کرتے ہوئے رسول اور نبی کہہ دیا، یا یہ سمجھا جانے لگا کہ یہ بھی انہیں مقدس انسانوں میں سے ہے جو انسانوں کی ہدایت کے لئے خدا کی طرف سے مبعوث ہوتے ہیں یہ نبوت اور رسالت کی حقیقت سے لاعلمی کا ثبوت ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ نہ ہر سحر البیان خطیب اور خیال آرا شاعر رسول ہو سکتا ہے اور نہ ہر نکتہ داں حکیم نہ ہر ماہر اسرار کائنات فلسفی، نہ ہر تارک دنیا صوفی، نہ ہر کامیاب منتظم لیڈر۔ نہ ہر امن و امان اور محبت و اتحاد کا پیامی نبوت اور رسالت کی نازک ذمہ داریوں کا بوجھ سنبھالنے کی اہلیت لے کر پیدا ہوتا ہے۔ وہ ریفارمر اور مصلح ہو سکتا ہے۔ نبی اور رسول نہیں ہو سکتا۔ یوں تو نبی بننے کے بعد نبی اپنے علم و عمل، طریق کار اور مقصد کے لحاظ سے سب سے نمایاں اور ممتاز ہوتا ہے۔ لیکن نبوت سے قبل ہی اس کی زندگی میں خیر و برکت کے وہ آثار ظاہر ہونے شروع ہو جاتے ہیں جو کسی دوسرے کی زندگی میں ممکن نہیں۔

انسان کی علمی اور عملی کوششیں اور قربانیاں اور بنی نوع انسان کی ہمدردی، انسان کو مصلح اور ریفارمر کے منصب پر فائز کر سکتی ہے لیکن نبوت کا مقام انسانی کسب و عمل سے بالاتر ہے۔ وہ ایک خالص خدائی عطیہ ہے جو خدا تعالےٰ کی طرف سے صرف ان ہی لوگوں کو عطا کیا جاتا ہے جن میں فطرتاً اس منصب کی اہلیت رکھی جاتی ہے۔

تاریخ بتاتی ہے کہ جو حضرات خدا کی طرف سے اس منصب

فائز ہوئے وہ بچپن ہی سے صفات عالیہ سے متصف رہے اور ان کا وجود ہر موقعہ پر منبع خیر و برکت ثابت ہوا۔ وہ اپنے حسب و نسب، صورت و شکل، امانت و دیانت، پاک نفسی اور برائیوں سے طبعی نفرت کے لحاظ سے اپنے ماحول میں ایسے رہے جیسے اندھیرے میں اُجالا۔ وہ عالم وجود میں قدم رکھتے ہی لوگوں کی توجہ کا مرکز بنے۔ اُن کے کردار کا دور دورہ اور شہرہ ہوا۔ اُن کے فہم و فراست نے نوعمری میں ہی بڑے بڑے عقلمندوں کو اپنے سامنے جھکا لیا۔ انہوں نے نبوت ملنے سے قبل ہی اپنی خدمات پر لوگوں سے خراج تحسین حاصل کیا۔ وہ "امین" کہلائے۔ اور وہ جوں جوں آگے بڑھتے گئے اُن کی استعداد اور فطری صلاحیت کا جوہر برگ و بار لاتا رہا۔

اور یہ اس لئے ہوا تاکہ جب ایک پیغمبر اصلاح قوم کے لئے میدان میں آئے تو سب سے پہلی دلیل اسکی صداقت پر اس کی اپنی سابقہ زندگی ہو۔ اور اس میں لوگوں کے لئے تصدیق کا پورا پورا سامان موجود ہو۔

انبیاء علیہم السلام کی نبوت سے پہلے کی زندگی کے حالات و واقعات تاریخ میں محفوظ ہیں، ان کا مطالعہ ہمیں اس نتیجہ پر پہنچاتا ہے کہ ایک رسول کی پرورش، تربیت اور چالیس سال کے واقعات زندگی میں خداتعالیٰ کی خصوصی نگرانی شامل ہوتی ہے، اور اس کی زندگی میں آنے والے دور کے آثار و نشانات پوری طرح موجود ہوتے ہیں اور اُن میں نبی کا مستقبل پوری طرح جھلکتا رہتا ہے۔

اِس حقیقت کی تصدیق انبیاء علیہم السلام کی زندگی کے حسب ذیل واقعات سے ہوتی ہے:۔۔۔

(۱) حضرت ابراہیم علیہ السلام | حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک ایسے ماحول میں آنکھیں کھولتے ہیں جس میں مخلوق پرستی کا دور دورہ ہے، بابل اور نینوا کی عظیم الشان قومیں چاند، سورج اور ستاروں کے سامنے سربسجود ہیں، بُت پرستی اور شرک محض ایک مذہبی عقیدہ ہی نہیں بلکہ قوم کی معاشی، تمدنی، سیاسی اور معاشرتی زندگی کا سارا نظام اسی عقیدہ پر قائم ہے، پانچ ہزار چھوٹے بڑے مصنوعی خداؤں کی عبادت گاہوں میں روزانہ لوگ صبح و شام جمع ہوتے ہیں، شرک کا باقاعدہ نظام قائم ہے۔ ملک کے مختلف شہروں کے الگ الگ خدا ہیں۔ دارالخلافہ (اُر) کا ایک سب سے بڑا دیوتا (مہادیو) ہے جسے ننار (چاند دیوتا) کہتے ہیں۔ یہ محض مذہبی دیوتا نہیں ہے بلکہ ملک کا سب سے بڑا زمیندار ہے، سب سے بڑا تاجر ہے، سب سے بڑا کارخانہ دار ہے اور ملک کی سیاسی زندگی کا سب سے بڑا حاکم ہے، اس کے مندر کے لئے بکثرت باغ، مکانات اور زمینیں وقف ہیں۔ مندر کے ماتحت بہت سے کارخانے قائم ہیں اور اُن سب کا انتظام مندر کی طرف سے پجاری کرتے ہیں، جو شاہی خاندان حکومت کرتا ہے وہ بھی اس دیوتا کا نمائندہ سمجھا جاتا ہے، اور اس تعلق کی وجہ سے بادشاہ بھی دیوتاؤں میں شمار ہوتا ہے۔

خود حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ماں باپ بُت تراش اور بُت فروش ہیں، ہر شخص اس مشرکانہ نظام میں اس طرح جکڑا ہوا ہے کہ اس کے خلاف سوچنا بھی ناممکن ہے۔

ظاہر ہے کہ ایسے پھیلے ہوئے اور جمے ہوئے نظام کی مخالفت زندگی کے پورے ڈھانچے میں انقلاب برپا کرنے کے مرادف ہے اور زندگی کی ساری عمارت کو گرا کر اسے از سرِ نو بنانے کی دعوت ہے جس کے لئے ایک مادہ پرست قوم کا تیار ہونا کوئی آسان کام نہیں۔ لیکن ایک نوجوان ہے جو پوری قوم میں تنہا اس بات پر غور کر رہا ہے کہ کیا یہ بے اختیار مخلوق بھی نفع و نقصان، حیات و موت اور خوشحالی، و بدحالی کی مالک ہو سکتی ہے۔ وہ اپنے گرد و پیش سے متنفر ہے اس کے چاروں طرف اندھیرا ہے اور کسی طرف روشنی کی کوئی کرن نظر نہیں پڑتی جو حقیقت تک پہنچنے کا ذریعہ بن سکے۔ مگر اس کے باوجود وہ تلاش حق میں سرگرداں ہے کیوں کہ

اُس کے دل میں سچائی کا وہ نُور موجود ہے جو آگے چل کر اس اندھیرے کو دُور کرنے والا ہے۔ پس اس کا طبعی جوہر اسکی رہنمائی کرتاہے اور وہ آثارِ کائنات میں چاند، سُورج ستاروں سے اپنی جستجوئے حقیقت کا آغاز کرتا ہے۔

ایک روز جب شام ہوئی اور زہرہ ستارہ اپنی ساری درخشانیوں کے ساتھ پردۂ شب سے جھانکا تو اس کے ذہن میں ایک حرکت پیدا ہوئی

اُس نے اپنی قوم کے عقیدہ کو نقل کرتے ہوئے کہا کیا یہ چمک دار ستارہ میرا پروردگار ہے؟ — کیوں کہ میری قوم اسی تمثالی بُت کی پوجا کرتی ہے۔ اِسی سوال کا جواب اس نے اپنی تحقیق سے طلب کیا۔ وہ غور کرتا رہا۔ لیکن جب وہ ستارہ تھوڑی دیر کے بعد ڈوب گیا تو اسکی تحقیق نے اُسے جواب دیا کہ جو ہستیاں ڈوب جانیوالی ہیں وہ پروردگار نہیں ہوسکتیں۔

پھر پردۂ ظلمت چاک ہوا، اور چاند چمکتا ہوا نکل آیا۔ پھر اس نے سوال کیا، کیا یہ میرا پروردگار ہے۔ لیکن وہ بھی نہ ٹک سکا، اور غروب ہوگیا۔ اب صبح ہوئی اور آفتاب جہاں تاب نے پردۂ شب کا نقاب اُلٹ کر عالم کائنات پر اپنی کرنیں ڈالیں۔ یہ سب سے بڑا تھا۔ لیکن جب وہ بھی غروب ہوگیا تو وہ نوجوان پکار اُٹھا کہ ان میں سے کوئی بھی میرا پروردگار نہیں ہوسکتا، یہ سب زبانِ حال سے کہہ رہے ہیں کہ ہم مختار نہیں، بے بس مخلوق ہیں، اور قُدرت کے ایک مقررہ قانون کے ماتحت گردش کرتے رہتے ہیں۔

پس جو خود محکوم و پروردہ ہو وہ حاکم و پروردگار، کیسے ہوسکتا ہے۔

اُس نوجوان نے اعلان کیا:۔

"اِنی وجھت وجھی للذی فطر السموات والارض حنیفا وما انا من المشرکین۔"

"میں ہر طرف سے مُنہ موڑ کر صرف اُس ہستی کی طرف رُخ کرتا ہوں جو کسی کی بنائی ہوئی نہیں بلکہ زمین و آسمان کی خالق ہے، اور میں صاف کہتا ہوں کہ میں اُن میں سے نہیں ہوں جو اُس کے ساتھ اُس کی مخلوق کو شریک کرتے ہیں۔"

یہ غور و فکر اور حق کی تلاش و جستجو اور منزلِ مقصود تک رسائی اسی فطری جوہر کا نتیجہ تھا جو ایک ہونے والے رسول میں ودیعت کیا جاتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے متعلق قرآنِ حکیم نے واضح طور پر یہ فرمایا ہے:۔

ولقد اٰتینا ابراھیم رشدہٗ من قبل وکنا بہٖ عالمین۔	"بلاشبہ ہم نے ابراہیم کو پہلے ہی سے رشد عطا کیا تھا، اور ہم اُن کو اچھی طرح جانتے تھے۔"

"رشد" کیا چیز ہے؟ قرآن میں یہ غَیّ کے مقابلہ میں استعمال ہوتا ہے، غَیّ کے معنی گمراہی کے آتے ہیں، اس لئے اس کے معنی ہوں گے "راہِ راست پر قائم رہنا، سیدھی راہ چلنا"

سُورۂ حجرات میں "راشدون" کی تفسیر کرتے ہوئے خود قرآن نے رشد کے مفہوم پر روشنی ڈالی ہے:۔

واعلموا ان فیکم رسول اللہ لو یطیعکم فی کثیر من الامر لعنتم ولکن اللہ حبب الیکم الایمان وزینہ فی قلوبکم وکرہ الیکم الکفر والفسوق والعصیان اولئک ھم الراشدون۔ (القرآن الکریم)	"اور جان لو کہ تم میں اللہ کے رسول ہیں، بالفرض اگر یہ بہت کی باتوں میں تمہارا کہنا ماننے لگیں تو بلاشبہ تم مصیبت میں پڑ جاؤ، لیکن اللہ تعالےٰ نے تم کو اس مشقت سے اس طرح بچا لیا کہ ایمان اور اطاعت کو تمہارے دلوں میں محبوب اور مرغوب بنا دیا اور کفر و فسق اور معصیت کی نفرت تمہارے دلوں میں ڈال دی، ایسے ہی لوگ رشد و ہدایت والے ہیں۔"

✧ ✧ ✧

معلوم ہوا کہ نبی منصبِ نبوت پر باقاعدہ سرفراز ہونے سے پہلے صدّیق و ولی ہوتا ہے، اُس میں حق کا عرفان موجود

ہوتا ہے، وہ معرفت حق کے معاملہ میں ہر قسم کے شک و اشتباہ سے پاک ہوتا ہے۔

(۲) حضرت اسماعیل علیہ السلام

حضرت ابراہیمؑ کو حکم ہوتا ہے کہ اپنی بیوی ہاجرؑہ اور اپنے اکلوتے دودھ پیتے بچے اسماعیلؑ کو عرب کے سنسان جنگل میں چھوڑ آؤ۔

یہ حضرت ابراہیمؑ کی آزمائش تھی، ابراہیم علیہ السلام خدا تعالےٰ کی مصلحتوں کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتے ہیں اور جہاں آج کعبہ ہے وہاں ایک بڑے درخت کے نیچے، دونوں ماں بیٹوں کو چھوڑ آتے ہیں، اور اُن کے ساتھ کیا سامان کرتے ہیں ''صرف پانی کا ایک مشکیزہ اور کھجوروں کا ایک گٹھا'' ـــ اللہ اللہ خیر سلا ـــ ''

ایک مشکیزہ پانی اور کچھ کھجوریں کب تک چلتیں۔ جب وہ سامان ختم ہوگیا تو ہاجرہ سخت پریشان ہوئیں، بھوک اور پیاس بڑھنے لگی اور دودھ خشک ہوگیا، ماں کو اپنا اتنا غم نہ تھا جتنا اس معصوم شیر خوار بچے کا، بچہ کی حالت خراب ہونے لگی، ہاجرہ بچے سے دور جاکر بیٹھ گئیں، تاکہ وہ اپنے معصوم بچے کی حالتِ زار اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ سکیں۔ لیکن ماں کو چین نہ پڑا، بے قرار تھیں۔ اٹھ کر قریب کی پہاڑی (صفا) پر چڑھ گئیں کہ شاید کوئی اللہ کا بندہ نظر آجائے۔ لیکن وہاں کون نظر آتا۔ بے قراری بڑھی اور اس پہاڑی سے اتر کر دوسری پہاڑی (مروہ) پر چڑھ گئیں۔ وہاں بھی کوئی نظر نہ پڑا۔ وہاں سے دوڑ کر بچے کے پاس وادی میں آگئیں۔ جو بچہ بھوک پیاس کی شدت سے ایڑیاں رگڑ رہا تھا۔ ہاجرہ اس منظر کو دیکھ کر سات مرتبہ پہاڑیوں پر چڑھیں اتریں اور بچے کے پاس آئیں۔ آخر میں جب مروہ پر تھیں تو ایک آواز سنائی دی۔ ہاجرہ بولیں۔ اے خدا کے بندے اگر تو اس مصیبت میں کچھ میری مدد کرسکتا ہے تو سامنے آ۔ دیکھا تو خدا کا پاک فرشتہ (جبریلؑ) ہے، فرشتہ نے اُس جگہ جہاں اسماعیل پڑے ایڑیاں رگڑ رہے تھے اپنا پیر مارا جس سے وہاں میٹھے پانی کا ایک چشمہ اُبلنے لگا۔ ہاجرہؑ نے اس میں پانی پیا اور اپنے بچے کو پلایا۔ فرشتہ نے ہاجرہؑ کو تسلی دے کر کہا۔ ہاجرہ غم نہ کر۔ خدا تعالیٰ تجھے اور تیرے بچے کو ہلاک نہ ہونے دے گا۔ یہ مقام بیت اللہ ہے جس کی تعمیر اس بچے اور اس کے باپ ابراہیمؑ کے مقدس ہاتھوں سے ہونی ہے۔

پھر خدا تعالےٰ نے اس صحرائے لق و دق کی طرف انسانوں کے دل پھیرے اور وہاں قبیلہ بنی جرہم آباد ہوگیا اور ہاجرہ اور اسماعیلؑ کے لئے جنگل کا ویرانہ انسانوں کی بستی میں تبدیل ہوگیا۔

مکہ بن کھیتی کی زمین ہے، جہاں شور پانی کے سوا آبِ شیریں کا کہیں نام و نشان نہیں، پھر یہ کس کی برکت سے وہاں چشمہ جاری ہوا؟ قدرت کو کس کی حفاظت اور پرورش مقصود تھی۔ انسانوں کے دل اس طرف کس کے لئے پھیرے یہ کس کے لئے انس و رفاقت کا سامان کیا جا رہا تھا؟۔

یہ صرف اسماعیل تھے جن کی حفاظت و پرورش مقصود تھی، اور آگے چل کر جن سے بنی نوع انسان کی خدمت کے بڑے بڑے کام لینے تھے۔

سچ ہے کہ رسولوں کی زندگی شروع ہی سے بڑے بڑے غیر معمولی واقعات پر مشتمل ہوتی ہے ۔ (باقی)

قسط ۲ :-

نبی اور مصلح میں فرق

(مولٰنا اخلاق حسین قاسمی الدہلوی)

حضرت اسمٰعیلؑ کی قربانی

حضرت اسمٰعیل بن شعور کو پہنچے ہی تھے کہ ان کی ذات میں نبوت کا (جو آئندہ ملنے والی تھی) ایک عظیم الشان نشان ظاہر ہوا۔

باپ نے خواب میں دیکھا کہ خدا تعالیٰ اسماعیل کو قربان کرنے کا حکم دے رہا ہے۔ باپ کی تو کڑی آزمائش تھی ہی لیکن اسماعیل کے لئے اتنی سخت آزمائش کا پہلا موقع تھا باپ نے بیٹے سے اپنے خواب کا ذکر کیا۔ بیٹے نے بلا جھجک اور بلا تامل جواب دیا۔ اے باپ! تمہیں جس بات کا حکم دیا گیا ہے تم فوراً اس کی تعمیل کرو، تم انشاء اللہ مجھے صابر پاؤ گے۔

باپ بیٹے دونوں راضی برضائے الٰہی ہو کر تعمیل حکم کے لئے چلے۔ باپ نے ماستا کو قربان کیا اور بیٹے نے اپنی جان عزیز پیش کر دی۔ دونوں جنگل میں پہنچے، باپ نے بیٹے کے ہاتھ پیر باندھے۔ چھری کو تیز کیا اور اسماعیل کو پیشانی کے بل گرا کر گلے پر چھری رکھ دی۔ دونوں آزمائش میں کامیاب ہو چکے تھے۔ ندا آئی "ابراہیم تو نے اپنا خواب سچ کر دکھایا۔ اسماعیل کو چھوڑ دے اور اس کی جگہ اس مینڈھے کو ذبح کر دے جو تیرے پاس کھڑا ہے۔"

باپ کے صبر و استقلال پر تو اتنی حیرت نہیں۔ کیوں کہ ابراہیم بڑے بڑے امتحانوں سے گذر چکے تھے۔ البتہ اسماعیل کے صبر و رضا پر تعجب ضرور ہے۔ لیکن تعجب کی کیا بات ہے، یہ وہ بچہ ہے جسے وحی الٰہی نے پیدائش سے پہلے ہی حلیم و بردبار کہا تھا۔ باپ نے دُعا کی تھی، خداوندا مجھے ایک نیکوکار بچہ عطا فرما! جواب ملا تھا :-

"ابراہیم تجھے ایک حلیم بچے کی بشارت ہو۔"

اس صبر و رضا کو دیکھ کر اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ یہ جواب اور تسلیم و رضا کا مظاہرہ جو اسماعیل نے کیا اس فطری عزم و حوصلہ کا نتیجہ ہی ہو سکتا ہے جو خدا کی طرف سے ایک ہونے والے پیغمبر کو عطا کیا جاتا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام

یوسف علیہ السلام بچپن میں خواب دیکھتے ہیں کہ گیارہ ستارے اور چاند سورج میری سامنے سر بسجود ہیں۔ باپ (یعقوب علیہ السلام) صاحب بلا رتبت پیغمبر ہیں۔ بیٹے نے خواب سُنایا۔ باپ نے یوسف کو تعبیر کے طور پر علوم و معارف کی بشارت دی۔

باپ کو بیٹے کے ساتھ والہانہ عشق و محبت تھی۔ دوسرے بھائیوں کو حسد ہوا۔ یوسف کو کھیل کود کے بہانے سے جنگل میں لے جا کر ایک اندھے کنوئیں میں ڈال دیا۔ اور باپ سے آ کر کہہ دیا کہ یوسف کو بھیڑیا اُٹھا کر لے گیا۔

یوسف کنوئیں میں تھے کہ ایک قافلہ اس طرف سے گذرا۔ پانی کے لئے اس قافلہ والوں نے اس کنوئیں میں ڈول ڈالا، یوسف ڈول پکڑ کر لٹک گئے اور باہر نکل آئے قافلہ والوں نے یوسف کو غلام بنا لیا، اور دیگر مالِ تجارت کے ساتھ انھیں بھی مصر لے گئے۔

ایک بچہ جس کی ماں کا انتقال ہو چکا ہو، وہ اپنے

باپ کا چہیتا ہو۔ بھائیوں کے حسد کا شکار ہو کر باپ سے جُدا ہوا وطن سے نکلا۔ آزادی کی جگہ غلامی نصیب ہوئی۔ یوسفؑ حضرت ابراہیمؑ کے گھرانے کے چشم و چراغ تھے، جس گھرانے کا ہر طرف شہرہ تھا۔ اگر یوسف اپنی مُصیبت کا اظہار کرتے۔ شور و غل مچاتے تو قافلہ والوں سے نجات پا کر اپنے گھر آسکتے تھے۔ لیکن یوسف خاموش ہیں۔ قسمت پر شاکر ہیں، مصائب پر صابر ہیں، اور خدا کے فیصلہ پر راضی برضا، سرِ تسلیم خم کئے مصر کے بازار میں فروخت ہونے چلے جا رہے ہیں۔

غور کیجئے کیا یہ صبر و رضا ایک اٹھارہ سالہ، نو عمر جوان کے لئے آسان ہے، یا وہی انسان اختیار کر سکتا ہے جسے قدرت کے مخفی اشاروں نے مطمئن کر دیا ہو کہ یوسف! تجھے اس وقت کے سب سے متمدن ملک "مصر" کی اصلاح پر مامور کیا جائے گا اور اس کی سیاسی زمام کار تیرے ہاتھ میں دی جائے گی۔ اس مقصد عظیم کے لئے جس واقفیت، بصیرت اور انتظامی معاملات کے تجربہ کی ضرورت ہے وہ کنعان کی بدوی زندگی میں حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس لئے قدرت ایک منظم اسکیم کے ماتحت تجھے مصر کے ایک شاہی خاندان میں پہنچانا چاہتی ہے، تاکہ اس ماحول میں تیری صلاحیتیں نشو و نما پاسکیں اور پھر جب تجھے مصر کی حکومت چلانے پر مامور کیا جائے تو تو پیغمبرانہ دیانت اور غیر معمولی سیاسی قابلیت کے ساتھ سلطنت کا نظم و نسق چلا سکے۔

یوسف مصر کے بازار میں فروخت کرنے کے لئے لائے گئے مصر کے ایک رئیس نے جو حکومت کا اعلیٰ عہدہ دار تھا یوسف کو خرید لیا۔ یوسف ایک غلام کی حیثیت سے مصر کے ایک ذی اقتدار خاندان میں پہنچے۔ یوں تو عام طور پر مصری لوگ غلاموں کے ساتھ نہایت حقارت آمیز سلوک کرتے تھے، اور پھر یہ تو ایک اونچا خاندان تھا اور یوسف کنعان کے بدوی قبیلہ کے ایک فرد تھے اس لئے یوسف کی جتنی تحقیر ہوتی کم تھی۔ لیکن چند دن ہی گذرے تھے کہ آقا نے اپنی بیوی کو نصیحت کی :-

"اس غلام کو عزت و احترام کے ساتھ رکھنا کچھ عجب نہیں کہ یہ ہمارے لئے مفید ثابت ہو یا اسے ہم اپنا بیٹا بنالیں"

متکبر قوم کے متکبر سردار نے یوسف میں کیا چیز دیکھی جس سے متاثر ہو کر وہ اپنی بیوی کو ایک غلام کے اعزاز و اکرام کا حکم دے رہا ہے؟

تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ یوسف نو عمری ہی میں حلم و وقار پاک نفسی، امانت اور سلیقہ مندی کے اوصاف کا ایسا اچھا نمونہ تھے کہ ایک مصری سردار ان کی شان دار شخصیت کو خراجِ تحسین ادا کئے بغیر نہ رہ سکا۔ اور یہ سب خُدائی تعلیم و تربیت کا نتیجہ تھا، ورنہ یوسف ایک بدوی تھے۔ نہ انہوں نے کسی یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کی تھی، اور نہ کسی اُستاد کے سامنے زانوئے ادب طے کئے تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السّلام

ایک ایسے دور میں جبیں مصر کے جابر شاہنشاہ نے یہ ظالمانہ آرڈر جاری کر رکھا تھا کہ خاندان اسرائیل کا کوئی لڑکا زندہ نہ بچنے پائے، عمران کے گھر میں ایک بچہ پیدا ہوا۔

اس اسرائیلی بچے کو تین مہینے تک کسی نہ کسی طرح سرکاری جاسوسوں کی نگاہ سے محفوظ رکھا گیا تین مہینے کے بعد عمران کی بیوی کو سخت تشویش لاحق ہوئی کہ اب اس بچے کو کس طرح بچایا جائے؟

عمران کی بیوی اس پریشانی میں تھیں کہ ان کے دل میں القا ہوا، القا کرنے والا خود بیان کرتا ہے :-

"ہم نے اُسے سجھایا کہ بچے کو ایک صندوق میں ڈال دے اور پھر اس صندوق کو دریا (نیل) میں چھوڑ دے دریا اُسے کنارے پر ڈال دے گا۔ پھر اسے وہ اُٹھا لے گا جو میرا بھی دشمن ہے اور اس بچے کا بھی۔" (سورۂ طٰہٰ)

اس کے بعد اے عمران کی بیوی! تو بے غم رہیو ہم اس

بچے کو تیری ہی آغوش میں واپس کرا دیں گے اور اسے رسولوں میں کریں گے۔" (قصص)

اس بچے میں کیا خصوصیت تھی جس کی بنا پر اس کی ماں خدائی الہام کی مخاطب ہو رہی ہے اور اسے بچے کی حفاظت کے لئے خاص تدبیر اختیار کرنے کا حکم کیا جا رہا ہے، اس عظیم خوش خبری کے ساتھ کہ یہ واپس ہوگا اور رسول بنیگا

عمران کی بیوی نے الہام الٰہی کی تعمیل کی، بچے کو الٰہی حکم کے مطابق دریا میں ڈال دیا، خدائی پیغام تسلی کے لئے کافی تھا مگر مزید اطمینان کے لئے اپنی لڑکی سے کہا کہ تو صندوق کے پیچھے پیچھے جا کر دیکھ کہ خدا تعالےٰ اپنا وعدہ کس طرح پورا کرتا ہے۔

عمران کی لڑکی نے دیکھا کہ بھائی کا صندوق تیرتا ہوا شاہی محل کے کنارے آلگا، اور شاہی گھرانے کی ایک عورت نے اسے دیکھ کر اٹھوا لیا۔

صندوق شاہی محل میں پہونچا، فرعون کی بیوی نے جو اس پر نگاہ ڈالی تو ایک ہی نگاہ میں ہزار جان سے عاشق ہوگئی، اور کہنے لگی:۔

"اس بچے کو قتل نہ کرو، ممکن ہے کہ یہ ہمارے کام آئے، یا ہم اسے اپنا بیٹا بنا لیں۔" (قصص)

اب سوال یہ پیدا ہوا کہ بچے کو دودھ کون پلائے، شاہی دایہ بلائی گئیں، مگر بچے نے کسی دایہ کے دودھ کو منہ نہ لگایا بچے کی بہن کھڑی سب تماشا دیکھ رہی تھی، شاہی محل والوں کی پریشانی اور حیرانی دیکھ کر بولی، کیا میں ایک ایسی دایہ کا پتہ نہ بتاؤں، جو نہایت نیک اور محنتی ہے، فرعون کی بیوی نے فوراً اسے لانے کا حکم دیا۔

بہن گھر آئی اور بے قرار ماں کو ساری داستان سنا کر اپنے ساتھ لے گئی۔ خدا کا وعدہ پورا ہوا، عمران کی بیوی کی گود پھر بھر گئی اور ان کی آنکھیں اپنے نورِ چشم سے دوبارہ ٹھنڈی ہوگئیں۔

یہ تھی الٰہی مصلحت و تدبیر کہ ماں کی مامتا بھی ٹھنڈی رہی اور یہ اسرائیلی بچہ شاہی تربیت میں پرورش پانے کے لئے ان لوگوں کی آغوش میں بھی آگیا جو اسرائیلی بچوں کے جانی دشمن تھے اور خود اس بچے کے بھی خون کے پیاسے۔

ایک بچے کی دشمنوں کے ہاتھوں پرورش، اور اس کا یہ حیرت انگیز طریقہ، کیا اس بات کا پتہ نہیں دے رہا تھا کہ (۱) یہ اسرائیلی بچہ، دوسرے اسرائیلی بچوں سے ایک ممتاز حیثیت کا مالک ہوگا۔ (۲) مستقبل قریب میں یہ تاریخ کی ایک عظیم الشان شخصیت بنے گا۔ (۳) اس کے ساتھ غیب کی مخفی طاقتیں ہیں، جو آئندہ اس سے کوئی بڑا کام لینا چاہتی ہیں، ——— یہی نبوت کے آثار و علامات ہیں۔

یہ اسرائیلی بچہ جب شاہی تربیت میں پل بڑھ کر جوان ہوگیا تو اب اس نے مصر کے حالات کا جائزہ لینا شروع کیا اس نے دیکھا کہ وہ جس باپ کی گود میں پروان چڑھا ہے، وہ بدترین ظالم ہے اور بندگانِ الٰہی اس کے مظالم کے بوجھ میں دبے ہوئے پڑے بلک رہے ہیں، اس سے ان حالات پر صبر نہ ہو سکا، اور اس نے مظلوموں کی مدد شروع کردی، فرعون اسے برداشت نہ کر سکا، اور بالآخر اس اسرائیلی جوان کو وطن چھوڑنا پڑا۔

یہ اسرائیلی جوان مصر کو خیرباد کہہ کر مداین پہونچا، یہ بستی مصر سے آٹھ منزل پر واقع تھی اور اس کے رہنے والے اس جوان کے قریبی رشتہ دار تھے، جب یہ بستی میں داخل ہوا، تو اس نے دیکھا کہ بستی کے کنوئیں پر لوگ اپنے اپنے مویشیوں کو پانی پلا رہے ہیں اور دو لڑکیاں اپنے مویشیوں کو لئے دور کھڑی ہیں۔ اس نے ان لڑکیوں کو الگ تھلگ کھڑے ہوئے دیکھ کر پوچھا، تم پیچھے کیوں کھڑی ہو، اپنے مویشیوں کو پانی کیوں نہیں پلاتیں؟ وہ

بولیں، ہم کمزور ہیں، جب آگے بڑھتے ہیں تو یہ زور آور لوگ ہمیں پیچھے دھکیل دیتے ہیں، باپ ہمارے بوڑھے ہیں، جب یہ سب چلے جائیں گے تو بچا کھچا پانی ہم بھی اپنے مویشیوں کو پلالیں گے۔

زور اور طاقت کے گھمنڈ کا جو تماشا اس مصری جوان نے مصر کی سرزمین پر دیکھا تھا وہی یہاں بھی سامنے آگیا، بس کمزور کی اس مظلومیت کو دیکھ کر اسرائیلی جوان کو جوش آگیا، اور وہ بھیڑ کو چیر کر آگے بڑھا، کنوئیں پر پہنچا، ڈول ڈالا، اور تنہا پانی کھینچ کر ان لڑکیوں کے مویشیوں کو پلایا۔ طاقتوروں کو اس مسافر کی جرأت پر غصہ آیا۔ لیکن اس کی ہمت مردانہ سے کچھ ایسے مرعوب ہوئے کہ منہ سے کچھ نہ بول سکے اور حیران کھڑے اس کا منہ تکتے رہے۔

لڑکیاں جب خلاف معمول سویرے سے اپنے گھر واپس لوٹیں تو بوڑھے باپ نے تعجب سے اس کی وجہ پوچھی۔ لڑکیوں نے اس "مصری مسافر" کی جرأت کا سارا ماجرا سنایا اور بتایا کہ اس جوان نے کس طرح ہماری بے کسی پر رحم کھاکر ہماری مدد کی، بوڑھے باپ (حضرت شعیب علیہ السلام) کی پیغمبرانہ فراست نے تاڑ لیا کہ طاقتوروں کے جبر و زبردستی کے مقابلہ میں کمزوروں کی بے بسی پر بے قرار ہوکر جان جوکھوں میں ڈالنے والا ایسے ماحول میں جہاں حق و انصاف کی آواز سننے والا بھی کوئی نہ ہو، کوئی زبردست صاحب عزیمت انسان ہی ہوسکتا ہے۔ بیٹی سے کہا۔ فوراً جاؤ اور اس مسافر کو میرے پاس بلاکر لاؤ، لڑکی آئی اور کہا، آپ کو ہمارے والد بلاتے ہیں، تاکہ اس احسان کا بدلہ دیں۔

اسرائیلی جوان نے "اس جوان لڑکی" سے کہا، میں تیرے ساتھ چلتا ہوں مگر تو میرے آگے آگے نہ چل بلکہ پیچھے پیچھے آ، اور کنکریاں پھینک کر مجھے راستہ بتاتی جا۔

مصری مسافر شیخ مدین کے پاس پہنچے، بات چیت ہوئی گفتگو کے بعد بیٹی نے باپ سے کہا۔

"ابا جان! اس مسافر کو مویشی چرانے کے لئے ملازم رکھ لیجئے، ملازم وہی بہتر ہوتا ہے جو طاقت ور اور امانت دار ہو"

باپ نے بیٹی کی اس سفارش پر تعجب کیا اور پوچھا، تجھے کیسے معلوم ہوا کہ یہ مسافر طاقتور اور امانت دار ہے؟ بیٹی نے کہا، اس سے زیادہ اور طاقت کیا ہوگی کہ سب زور آوروں کو دھکیل کر اس نے ہمارے جانوروں کو پانی پلادیا اور اس سے زیادہ امانت کیا ہوگی کہ اس نے مجھے دیکھکر اپنی نظریں نیچی کرلیں اور مجھ سے کہا کہ میرے پیچھے پیچھے آؤ۔

باپ بیٹی کے جواب سے بہت مسرور ہوئے، اور اس مصری مسافر کو بکریاں چرانے کے لئے اپنے پاس رکھ لیا۔

مظلوموں کی مدد کا یہ جذبہ کہ وطن سے بے وطن ہوتے پر بھی وہ کم نہ ہوا، بلکہ اور بڑھا، جوانی میں نگاہ کی پاکبازی اور شرم و حیاء کا یہ عالم کہ ایک جوان لڑکی کا آگے آگے چلنا بھی گوارا نہ کیا۔ کس مستقبل کا پتہ دے رہا تھا؟ کیا یہ جرأت اور یہ کیرکٹر اس بات کا نشان نہ تھا کہ اسے کسی اہم خدمت کے لئے چن لیا ہے، اور اس اندھیرے ماحول میں اسکی روشن فطرت اور خشیت الٰہی سے لبریز دل دنیا کی اصلاح و ہدایت کا سرچشمہ بننے والا ہے۔

یہ چند مشہور پیغمبروں کے بچپن اور جوانی کے حالات ہیں اب چند باتیں نبی آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بھی سنئے کہ نبوت ملنے سے پہلے آپ کی زندگی کتنا حیرت انگیز امتیاز رکھتی تھی +

(باقی آئندہ)

قسط نمبر ۳:۔

نبی اور مصلح میں فرق

(مولانا اخلاق حسین قاسمی الدہلوی)

حضرت صالح علیہ السلام

انبیاء سابقین میں حضرت صالح علیہ السلام کے متعلق بھی اُن کی قوم کے الفاظ قرآن نے نقل کئے ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ نوعمری میں ہی حضرت صالحؑ کے کیرکٹر اور اُن کی ذہنی اور فکری صلاحیت نے قوم کی نگاہیں اُن پر مرکوز کردی تھیں، ان کی پیشانی سے رشد و ہدایت کے جو آثار ہویدا تھے انہیں دیکھ کر اُن کی قوم یہ سمجھ گئی کہ یہ شخص ساری قوم میں ممتاز شخصیت کا مالک ہوگا، وہ حضرت صالح کے تدبر اور معاملہ فہمی سے متوقع تھے کہ یہ ہونہار نوجوان اپنی قوم کو چار چاند لگائے گا۔ لیکن ان تمام خوبیوں میں انہیں ایک بات بالکل ناپسند تھی اور وہ یہ کہ یہ نوجوان اپنے قومی مذہب سے بیزار تھا وہ بُت پرستی اور جاہلانہ مراسم سے الگ تھلگ رہتا تھا، اس بات کی وہ شکایت بھی کرتے تھے۔ چنانچہ جب منصب نبوت پر فائز ہوکر حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم کے عقائد اور عبادات پر سخت تنقید فرمائی تو قوم چلا اُٹھی اور کہا:۔

قالوا یٰصٰلح قد کنت فینا مرجوًا قبل ھذا اتنھٰنا ان نعبد ما یعبد اٰباؤنا واننا لفی شک مما تدعونا الیہ مریب۔

(سورہ ہود، رکوع ۶)

"بولے اے صالح! تجھ سے تو ہم کو امید تھی اس سے پہلے کیا تو ہم کو منع کرتا ہے کہ بندگی کریں جن کی بندگی کرتے رہے ہمارے باپ دادا، اور ہم کو تو شبہ ہے اس میں جس کی طرف تو بلاتا ہے ایسا کہ دل نہیں مانتا۔"

حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ فرماتے ہیں:۔

"یعنی ہونہار لگتا تھا کہ باپ دادے کی راہ روشن کریگا تو لگا مٹانے۔"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ چونکہ ایک بدترین قوم (یہود) سے ہونے والا تھا، اس لئے خدا تعالےٰ نے انکی زندگی کو یوم اوّل ہی سے بالکل نمایاں اور ممتاز بنایا تھا تاکہ شروع ہی سے یہود پر اتمام حجت ہوتا ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صداقت سے انکار کی قطعاً کوئی گنجائش باقی نہ رہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معجزانہ پیدائش کا جب وقت قریب آیا تو ان کی والدہ حضرت مریم گھبرائیں اور باوجود اس کے کہ خدا تعالےٰ نے فرشتے کے ذریعہ ان کو ہر طرح کا اطمینان دلادیا تھا پھر بھی بن شوہر کے بچہ جننے کا خیال انہیں بے قرار کرتا رہا، یہاں تک کہ وہ بستی سے باہر ایک مقام پر چلی گئیں

حضرت مریم جہاں گئیں وہ جگہ بیت المقدس سے آٹھ میل پر واقع ہے اور یہ وہی جگہ ہے جسے آج "بیت اللحم" کہتے ہیں۔

وضع حمل کا وقت قریب آیا، درد زہ کی تکلیف، تنہائی و بے کسی، ضرورت و راحت کے سامان کا فقدان، پھر قوم میں بدنامی کا اندیشہ، یہ سب باتیں بشریت کا تقاضا تھیں فرشتہ نے آکر تسلی دی، اسی جگہ پانی کا ایک چشمہ جاری ہوگیا کھجور پر تروتازہ پھل موجود تھے ہی، خدا تعالےٰ نے ضرورت کا سارا سامان مہیا فرمادیا، حضرت مریمؑ کی آنکھیں ایک

چاند سے بچے سے ٹھنڈی ہوگئیں۔

اب سارے مرحلے گذر چکے تھے، صرف ایک مرحلہ باقی تھا کہ بستی میں جانا ہے جنگل میں کب تک پڑی رہوں گی، اس بچے کو دیکھ کر قوم کیا کہے گی، اسی پریشانی میں تھیں کہ خدا تعالیٰ کا حکم پہنچا کہ گھبراؤ نہیں، بے کھٹکے بچے کو لے کر گھر جاؤ۔ البتہ ایسا کرو کہ نہ بولنے کی نیت کرلو (بنی اسرائیل کی شریعت میں بولنے کا بھی روزہ ہوتا تھا) پھر جب کوئی تم سے آکر پوچھے تو اشارہ سے بتادینا کہ میں جواب دینے سے قاصر ہوں میرا روزہ ہے۔

اس ہدایت کے بعد مریم بستی میں آئیں، لوگوں کو صبر کہاں ہوسکتا تھا، کنواری مریم کی گود میں بچہ کو دیکھ کر چلا اُٹھے۔ مریم! یہ بچہ کہاں سے آیا؟ حضرت مریم نے ہدایت الٰہی کے مطابق اشارہ کردیا کہ حقیقت حال اس بچے سے براہ راست پوچھو، قوم کے لوگ اسے دوسری ستم ظریفی سمجھے کہ ایک بچہ ہمارے سوال کا جواب کیسے دے سکتا ہے؟ ادھر یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ حق تعالیٰ نے ادھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گویا کردیا، یہ بولے:-

قال انی عبد اللہ اٰتانی	"وہ بولا، میں بندہ ہوں اللہ کا، مجھ کو
الکتاب وجعلنی نبیاً وجعلنی	اس نے کتاب دی ہے اور مجھ کو اس نے
مبارکاً این ماکنت واوصانی	نبی کیا اور بنایا مجھ کو برکت والا جس جگہ
بالصلوٰۃ والزکوٰۃ مادمت	میں ہوں اور تاکید کی مجھ کو نماز کی اور
حیاً وبراً بوالدتی ولم یجعلنی	زکوٰۃ کی جب تک میں رہوں زندہ،
جباراً شقیاً والسلام علیَّ	اور سلوک کرنے والا اپنی ماں سے اور نہیں
یوم ولدت ویوم اموت و	بنایا مجھ کو زبردست بدبخت، اور سلام
یوم ابعث حیاً	ہے مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا اور جس
(سورہ مریم ۲۶)	دن مروں اور جس دن اٹھ کھڑا ہوں
	زندہ ہوکر۔"

* * *

ایک بچے کی معجزانہ گفتگو نے معاملہ کی ساری حقیقت کھول کر بیان کردی، بن باپ کی پیدائش پر نادان لوگ ایک پاکدامن عورت پر جو ناپاک تہمت لگاتے تھے اس کا جواب دیدیا گیا، اوّل تو اتنے سے بچہ کا کلام کرنا اور پھر کلام بھی نہایت فصیح اور معقول ——— یہ اس امر کی دلیل تھی کہ اس بچہ کی پیدائش بھی توالد و تناسل کے عام طریقے سے مستثنیٰ ہے اور خدا کی غالب قدرت کا ایک نشان ہے۔

نیز اسی گفتگو سے اس بچہ کا مستقبل اور اس کے آئندہ مشن کا پتہ چل رہا تھا، نہ ہر بچہ ماں کی گود میں ایسی گفتگو کرسکتا ہے اور نہ ہر عورت بن شوہر کے اس طرح بچہ جن سکتی ہے۔ یہ ایک ہونے والے نبی کی خصوصیت تھی، جس کی طرف لوگوں کو متوجہ کرتا تھا تاکہ لوگ سمجھ لیں کہ معاذ اللہ یہ بچہ نہ تو مجہول النسب ہے، نہ کذاب و مفتری ہے اور نہ یہ خدا کا بیٹا یا خدا ہے۔

خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم

اگلے پیغمبروں کے بعد اب خاتم الانبیاء

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے پہلی زندگی پر غور کیجئے، جس زندگی کو حضورؐ نے اپنے مخالفین کے سامنے اپنے دعویٰ نبوت کے ثبوت میں پیش فرمایا، اور اسے اپنی صداقت کی دلیل بنا کر لوگوں کو اسلام کی دعوت دی۔

قل لو شاء اللہ ما تلوتہ	"تو کہہ اگر اللہ چاہتا تو میں نہ پڑھتا
علیکم ولا ادرٰکم بہ	یہ تمہارے پاس اور نہ وہ تم کو خبر کرتا
فقد لبثت فیکم عمراً	اس کی کیونکہ میں رہ چکا ہوں تم میں
من قبلہ افلا تعقلون	ایک عمر اس سے پہلے کیا پھر تم
فمن اظلم ممن افتریٰ	نہیں سمجھتے پھر کون ظالم زیادہ اس سے
علی اللہ کذباً او کذب	جو بنائے اللہ پر جھوٹ یا جھٹلاوے
بآیاتہ انہ لا یفلح	اس کی آیتیں، بے شک بھلا
المجرمون (سورہ یونس ۲)	نہیں ہوتا گناہ گاروں کا۔"

مطلب یہ کہ میری زندگی کے چالیس برس تم میں گذرے بچپن ہو یا جوانی، سب تمہارے سامنے ہیں، میری جلوت تو ہے ہی جلوت، میری خلوت بھی جلوت کی طرح آشکارا ہے،

پھر بتاؤ کیا میں نے آجتک کسی بڑے چھوٹے کی طرف سے کوئی غلط بات کہی ہے، غلط بیانی کی ہے، جھوٹ بولا ہے، اگر نہیں اور تم چالیس سالہ زندگی میں یک واقعہ بھی ایسا پیش نہیں کرسکتے، تو پھر بھلا میں خدا تعالےٰ کا نام لے کر اپنی بات کیسے کہہ سکتا ہوں، میں اتنی جسارت کیسے کرسکتا ہوں کہ اپنے خیالات کو خدا کا کلام بتاکر تمہیں بہکادوں۔

دوسری بات یہ کہ تم نے چالیس سالہ زندگی میں کبھی ایک دن بھی میری زبان سے شعروشاعری سُنی، کسی ادیب یا شاعر کے سامنے کچھ سیکھتے دیکھا، میرے ہاتھ میں کبھی قلم دوات تمہیں دکھائی دی، کسی مدرسہ میں میں آتے جاتے تمہیں نظر پڑا، اگر نہیں تو پھر مجھ جیسا اُمّی ایسا کلام کیسے تصنیف کرسکتا ہے، ایسا مکمل اور عالمگیر قانون حیات کیونکر وضع کرسکتا ہے، کیا آجتک کبھی ایسا ہوا ہے کہ ایک اَن پڑھ انسان زندگی کے چالیس سال گذار چکنے کے بعد اچانک ہدایت اُترنے کی ایسی باتیں بتانے لگا ہو، جن کے مقابلہ میں سارے رسمی علوم و معرفت ماند پڑگئے ہوں۔

پھر یہ کہ چلو ان سب باتوں کو تسلیم کرلو تو یہ بتاؤ کہ ایک شخص انتہائی غلط بیانی اور افترا پردازی سے کام لے کر خدا تعالےٰ پر جھوٹ باندھے اور پھر اس کی زندگی اس قدر کامیاب ہو؟ وہ اس قدر آزادی اور جرأت کے ساتھ دشمنوں میں پھرتا ہے اس کی زبان میں اس قدر تاثیر ہو، اس کی شخصیت میں اتنی محبوبیت ہو کہ لوگ ہزار قسم کی تکلیفیں برداشت کرنے کے بعد بھی اس کا ساتھ نہ چھوڑیں۔ اس کے کٹر دشمن جادوگر یا پاگل تو کہدیں لیکن جھوٹا، یا بددیانت، کہنے کی جرأت نہ کرسکیں۔

ایسی کامیاب زندگی کیا ایک گناہگار اور مجرم کی ہوسکتی ہے؟ حاصل یہ کہ نہ میں نے آجتک جھوٹ بولا اور نہ کوئی شخص اتنی جرأت کے ساتھ خدا پر جھوٹ باندھ سکتا ہے، میں تو جو کچھ کہہ رہا ہوں خدا کی طرف سے کہہ رہا ہوں، جو خدا کی طرف سے آرہا ہے وہ پہنچا رہا ہوں۔

یہی وہ بہترین استدلال تھا جو ہرقل اعظم نے اختیار کیا، ابوسفیان سے پوچھا:۔

فهل كنتم تتهمونه بالكذب قبل ان يقول ما قال　　"کیا تم نے کبھی اس شخص پر دعویٰ نبوت سے پہلے جھوٹ کا الزام لگایا ہے؟ میں نے کہا، نہیں"

قلت۔ لا۔

ہرقل نے اس سے استدلال کیا، اور کہا:۔

"پس جس شخص نے آج تک کسی انسان کی طرف سے جھوٹی بات نہیں کہی وہ خدا کی طرف سے غلط بات کیسے کہہ سکتا ہے"

ہرقل نے پھر ایک سوال کیا:۔

قال ايزيدون ام ينقصون　　"اس کے پیرو زیادہ ہورہے ہیں یا کم؟ میں نے کہا، زیادہ ہورہے ہیں"

قلت بل يزيدون۔

اس پر ہرقل نے کہا:۔

"رسولوں کے پیرو زیادہ ہی ہوتے ہیں"

اس سوال سے ہرقل کا مطلب بھی وہی تھا جو قرآن کریم کے "لا يفلح المجرمون" کا ہے، یعنی جھوٹا اور فریبی انسان کبھی اس طرح دن دونی اور رات چوگنی ترقی نہیں کرسکتا، وہ تو چند روز ہی میں بدنام ہوجاتا ہے، اِلّا یہ کہ دولت، اقتدار اور حکومت کے سہارے وہ جھوٹا انسان اپنے مکروفریب، کو لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر اور ان کی زبانیں بند کرکے چند روز اور چلالے۔ لیکن جوں ہی اقتدار کا سہارا ختم ہوتا ہے مکروفریب کا سارا تاروپود بکھر جاتا ہے۔

آئیے اب حضورؐ کی اس چالیس سالہ زندگی پر ایک اجمالی نظر ڈالیں۔

شرک سے اجتناب

عرب ایک مدت سے بُت پرستی میں مبتلا تھا، وہ بابرکت تاریخی عبادت گاہ جسے توحید الٰہی کے مبلغ اعظم ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کیا تھا تین سو ساٹھ بتوں کی نجاست سے ملوث تھی

یہی چھوٹے بڑے بُت تھے جن سے وہ زندگی کی بڑی سے بڑی اور چھوٹی سے چھوٹی ضرورت طلب کرتے تھے، اور اُن کے آگے سر جھکاتے تھے، خُدا کا تصور اُن میں موجود تھا لیکن وہ خدا کو عضوِ معطل سے زیادہ حیثیت نہ دیتے تھے، اُن کا سارا کاروبار دینی اور دنیوی سب بُتوں سے چل رہا تھا۔ حد ہے کہ اگر اُن کے سامنے خدائے واحد کا نام لیا جاتا تھا تو عرب کے بُت پرستوں کو بہت ناگوار ہوتا تھا۔

واذا ذكر الله وحده اشمأزت قلوب الذين لا يؤمنون بالآخرة واذا ذكر الذين من دونه اذا هم يستبشرون۔	"اور جب نام لیجئے خالص اللہ کا رُک جاتے ہیں دل ان کے جو یقین نہیں رکھتے پچھلے گھر کا اور جب نام لیجئے اس کے سوا اوروں کا تب وہ لگیں خوشیاں کرنے۔"

(سورۂ زمر ۵)

حالانکہ بحیثیت خالق ارض وسماء کے وہ خدائے واحد ہی پر ایمان رکھتے تھے۔

ولئن سألتهم من خلق السموٰت والارض وسخر الشمس والقمر ليقولن الله فانى يؤفكون۔	"اور اگر تو لوگوں سے پوچھے کہ کس نے بنایا ہے آسمان زمین کو اور کام میں لگایا چاند اور سورج کو تو کہیں اللہ نے، پھر کہاں سے الٹ جاتے ہیں۔"

(سورۂ عنکبوت ۶)

لیکن یہ ایمان ویقین اس عقیدۂ باطل میں گم ہوچکا تھا:-

ما نعبدهم الا ليقربونا الى الله زلفى۔	"ہم ان بُتوں کی پُوجا کرتے ہیں، اس واسطے کہ ہم کو پہنچادیں اللہ کی طرف قریب کے درجہ میں۔"

(سورۂ زمر ۱۶)

اس بُت پرستانہ ماحول میں خاندانِ ہاشم میں ایک لڑکا پیدا ہوتا ہے، بُت پرستوں کی گود میں آنکھیں کھولتا ہے، ان ہی میں پل کر بڑا ہوتا ہے، ان ہی سے میل جول رکھتا ہے، لیکن وہ نوجوان بت پرستی سے سخت متنفر ہوتا ہے، وہ اپنی قوم کے بے حقیقت معبودوں سے بیحد بیزار ہوتا ہے۔

زید بن حارث حضورؐ کے خادم خاص فرماتے ہیں:-

"عہد جاہلیت میں جب مشرک لوگ بیت اللہ کا طواف کرتے تو اساف اور نائلہ (مشہور بُت تھے) کو چھوتے تھے، ایک دفعہ میں حضور کے ساتھ بیت اللہ کا طواف کر رہا تھا۔ جب میں اُن بُتوں کے پاس سے گذرا تو میں نے اُن کو چھوا، آپ نے مجھے منع کیا، میں نے دل میں کہا، دیکھو تو سہی چھونے سے ہوتا کیا ہے، اس خیال سے میں نے دوبارہ ان بتوں کو چھوا، حضورؐ نے اب کی دفعہ سختی سے منع فرمایا، کیا میں نے تمہیں منع نہ کیا تھا، زید فرماتے ہیں۔ واللہ اس کے بعد میں نے اُس بُت کو پھر کبھی ہاتھ نہیں لگایا، یہاں تک کہ خدا تعالیٰ نے حضورؐ کو نبوت سے سرفراز فرمادیا۔

یہی وہ ہاشمی نوجوان تھا، جس کے گھرانے میں صدیوں سے بُت پرستی ہوتی چلی آرہی تھی، اُس نے ہوش سنبھالتے ہی باپ دادا کے اس طریقہ کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا۔

اس نوجوان کا ایک پڑوسی کہتا ہے، میں نے حضورؐ کو اپنی بیوی حضرت خدیجہ سے یہ گفتگو کرتے سُنا:-

"خُدا کی قسم میں کبھی لات کی پُوجا نہیں کروں گا،
خُدا کی قسم میں کبھی عزیٰ کی پوجا بھی نہیں کروں گا۔"

(خصائص کبریٰ ص ۸۹، ۹۰)

نہ صرف یہ کہ اس نوجوان کی پیشانی غیر اللہ کے آگے جھکنے اور شرک کا نہ اعمال سے محفوظ رہتی ہے بلکہ اُس کی زبان بھی اُن بُتوں کی ناپاک قسموں سے آلودہ ہونا نہیں چاہتی۔

حضرت خدیجہ کے تجارتی قافلے کے ساتھ جب آپؐ تشریف لے گئے، تو اس موقعہ پر ایک خریدار سے کسی چیز کی قیمت پر کچھ اختلاف ہوگیا، گاہک نے عرب کے دستور کے مطابق حضورؐ سے کہا:-

احلف باللات والعزىٰ	"لات وعزیٰ کی قسم کھایئے"

اس ہاشمی تاجر نے نہایت حقارت کے ساتھ فرمایا:-

"میں ہرگز اُن کی قسم نہیں کھاؤں گا۔"

گاہک نے اس سوداگر کے تیور دیکھے، اس کے باوقار چہرے پر ایک نظر ڈالی، پرے ہٹ کر حضورؐ کے ساتھی، حضرت خدیجہ کے غلام میسرہ سے حضورؐ کی بڑی تعریف کی، اور حیرت سے کہا، اس ماحول میں یہ نوجوان بالکل انوکھا معلوم ہوتا ہے۔ (ابن سعد جزو اول صـ۸۳)

قومی میلوں میں بڑے چھوٹے سب شریک ہوتے ہیں، ان میلے تہواروں کو سماج میں بڑی اہمیت حاصل ہوتی ہے، میلے تہوار قوموں کے عقائد و جذبات کا مظہر ہوتے ہیں ایک مشرک قوم کے تہواروں میں شرک و توہم پرستی کی باتیں ہوتی ہیں اور ایک توحید پرست قوم کے میلوں میں توحید اور اس کے اثرات کا رنگ ہوتا ہے۔

عرب کے میلوں میں بھی شرک کا مظاہرہ اور جاہلانہ رسوم کی ادائیگی ہوتی تھی۔

عبداللہ کا یہ یتیم اپنے قومی میلوں سے ہمیشہ دور رہتا تھا، ایک دفعہ حضورؐ کے چچا، اور آپ کی پھوپھیوں نے اصرار کیا کہ بیٹا ہمارے ساتھ تہوار کی خوشی میں شریک ہو، آپ نے ساتھ چلنے سے معذوری ظاہر کی، جب بہت اصرار کیا تو آپ گھر سے چلے گئے، چند روز کے بعد آئے، گھر کی عورتوں نے پوچھا، کہاں تھے؟ فرمایا، میری طبیعت پر کچھ اثر تھا۔ عورتیں سمجھیں کہ شاید جن، بھوت کے اثر کا خیال ہو گیا ہے، بولیں:-

ما کان اللہ لیبتلیک بالشیطان وفیک من خصال الخیر۔ — "خدا تعالیٰ آپ کو شیطان کے اثر میں مبتلا نہیں کر سکتا کیونکہ آپ میں بڑی اچھی اچھی خصلتیں جمع ہیں۔"

(ابن سعد صـ۱۰۱)

بھوت پلید اور جن و شیطان کے متعلق عربوں کے بڑے عجیب و غریب خیالات تھے، یہ کسی کو غول، کسی کو عامر، کسی کو شیطان اور کسی کو عفریت کہتے تھے، عفریت کے متعلق ان کا خیال تھا کہ یہ حسین اور جوانوں کو اٹھا کر لیجاتا ہے، عمر ابن عدی لخمی کے بارے میں مشہور تھا کہ اسے عفریت اٹھا کر لے گیا اور کئی برس کے بعد جذیمہ ابرش کو لاکر دے گیا، عمر ابن عدی عرب کا ایک بادشاہ تھا۔

اسی طرح خرافہ کا واقعہ بھی عرب میں مشہور تھا کہ اسے جن اٹھا کر لے گئے اور مدت کے بعد وہ واپس آیا، وہ عجیب عجیب باتیں کرتا تھا۔

(شمائل ترمذی باب السمر) (باقی آئندہ)

قسط نمبر ۴:-

نبی اور مصلح میں فرق

(از مولانا اخلاق حسین قاسمی الدھلوی)

بتوں کے کھانے سے اجتناب!

تاریخ بتاتی ہے کہ دشت جہالت کے مارے ہوئے عربوں میں حرام، حلال کی بالکل تمیز نہ تھی، وہ ہر اس چیز کو کھا جاتے تھے جو انہیں مل جاتی تھی، نہ زمین کے کیڑے مکوڑوں کو چھوڑتے تھے نہ مردار جانوروں کو، خون جما کر اس کی قاشیں کاٹ کر کھانے کا بھی عام رواج تھا، بتوں کے نذرانوں اور تھانوں پر ذبح کئے ہوئے جانوروں کے کھانے میں تو انہیں تامل ہو ہی کیا سکتا تھا، کیونکہ اسے تو وہ اپنے معبودوں کی نیاز سمجھتے تھے۔

اس حرام خور سوسائٹی میں، بنی ہاشم کے لڑکے کی فطرت بالکل مختلف ہوتی ہے، وہ حرام و حلال میں تمیز کرتا ہے، پاک و ناپاک کو اچھی طرح سمجھتا ہے نہ اسے کوئی سکھاتا ہے، نہ پڑھاتا ہے ورنہ یہ باتیں سکھانے اور پڑھانے والا پوری سوسائٹی میں کوئی موجود ہی نہ، لیکن اس کا ذوقِ سلیم اسے سب کچھ بتاتا رہتا ہے۔ چنانچہ ایک دفعہ کا قصہ ہے کہ قریش کے کچھ لوگوں نے آپ کے سامنے کھانا لا کر رکھا، اس مجلس میں زید ابن عمرو ابن نفیل بھی موجود تھے، حضورؐ نے اس کھانے میں شریک ہونے سے انکار کر دیا، اور فرمایا "میں بتوں کے نام پر ذبح کئے ہوئے جانور اور بتوں کے چڑھاوے نہیں کھاتا، میں تو صرف وہی چیز کھاتا ہوں جس پر خدا کا نام لیا جاتا ہے"

زید کہتے ہیں حضورؐ کے انکار کے بعد میں نے بھی کھانے سے انکار کر دیا۔ (فتح الباری ج ۷ صفحہ ۱۰۸)۔

بے شرمی اور بے حیائی

جس معاشرہ میں آپ نے جوانی کی عمر کا بہترین حصہ گذارا اس میں بے حیائی عام تھی، زنا اور فسق و فجور کے داغ دھبوں سے کوئی دامن پاک نہ تھا۔

عرب کے مایۂ ناز شاعر اپنی بہنوں سے عشق بازی کرتے اور فخریہ ان بے حیائیوں کو نظم کرتے، پھر ان قصیدوں کے اشعار مزے لے لیکر گائے جاتے۔

بڑے بڑے صاحب ثروت امراء اپنی لونڈیوں سے بدکاری کراتے اور اس قابل نفرت کمائی سے عیش و عشرت کی داد دیتے۔

عبادت کے اندر بھی بے شرمی کا مظاہرہ کرتے، جسم ننگے ہو کر بیت اللہ کا طواف کرتے، عورتیں بھی اور مرد بھی، سوائے قریش کے۔

نہ نہانے دھونے میں شرمگاہ کو چھپاتے، نہ پیخانے پیشاب کے وقت پردے کو ضروری سمجھتے۔

شراب اور جوا سب بے حیائیوں کی جڑ ہیں اور یہی دونوں چیزیں عرب کی محبوب ترین تفریحات تھیں، ان تفریحات میں شریک نہ ہونا ان کے نزدیک سخت عار کی بات تھی۔

ایسے بے حیا لوگوں کے درمیان ایک نوجوان ایسا حیادار ہے کہ زندگی میں اس کو کسی نے ننگا نہیں دیکھا، بداخلاق لوگوں میں گھرا ہوا ہو کر بھی وہ ایسا پاکیزہ اخلاق ہے کہ کبھی کسی بدکاری اور بداخلاقی کے قریب نہیں پایا گیا، شراب کا کبھی

مزا نہیں چکھا، جوے کو کبھی ہاتھ نہیں لگایا۔ اُس پاکیزہ نفس نوجوان سے خود سُنیئے:۔

حضورؐ سے پوچھا گیا، آپ نے کبھی کسی بُت کو پُوجا ہے؟ فرمایا کبھی نہیں۔ پھر پوچھا، آپ نے کبھی شراب پی ہے؟ فرمایا، کبھی نہیں۔ میں ان چیزوں کو بُرا سمجھتا تھا اگرچہ مجھے کتاب و ایمان کا علم ابھی تک عطا نہیں ہوا تھا۔

(خصائص کبریٰ ص۸۹)

قرآن کریم نے اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔

وکذٰلک اوحینا الیک	"اور اسی طرح بھیجا ہم نے تیری
روحاً من امرنا ما کنت	طرف ایک فرشتہ اپنے حکم سے،
تدری ما الکتاب ولا الایمان	تو نہ جانتا تھا کہ کیا ہے کتاب
ولٰکن جعلناہ نوراً نھدی	اور نہ ایمان ولیکن ہم نے رکھی ہے
بہٖ من نشاء من عبادنا۔	یہ روشنی اس سے راہ سُجھا دیتے
(سورۂ شوریٰ ع ۵)	ہیں جس کو چاہیں اپنے بندوں میں"

مفسّرین نے آیت پر تقریر کرتے ہوئے کہا ہے:۔

یعنی حضور ایمان اور اعمالِ ایمانیہ کی تفصیلات سے واقف نہ تھے، یہ تفصیلی علم تو آپ کو وحی کے ذریعہ سے بخشا گیا۔ البتہ نزولِ وحی سے پہلے حضور نفسِ ایمان سے ضرور متصف تھے

طبیعت اس قدر حیادار واقع ہوئی تھی کہ آپ قضائے حاجت کے لئے آبادی سے بہت دُور تشریف لے جایا کرتے تھے، اتنی دُور کہ اس حالت میں کبھی کسی نے آپ کو نہیں دیکھا

(ابن سعد باب علامات النبوۃ)

یہ ہاشمی نوجوان آخر انسان تھا، انسان کے لئے ماحول کے اثرات سے بچنا کہاں تک ممکن ہے، خیال تو آہی جاتا ہے، لیکن جب کبھی ایسا ہوا تو غیب سے اس نوجوان کی حفاظت کی گئی۔ خود فرماتے ہیں:۔

"مجھے جاہلیت کی کسی بات کا کبھی خیال نہیں آیا، صرف دو دفعہ ایسا موقعہ آیا، مگر خدا تعالےٰ نے مجھے بچالیا"۔

"ایک رات کا ذکر ہے کہ میں نے اپنے ساتھی سے کہا جو میرے ساتھ بکریاں چرایا کرتا تھا کہ تم میری بکریوں کا خیال رکھنا میں مکہ جاکر ذرا کہانیاں سُن آؤں، میں شہر میں آیا، ایک مکان کے سامنے سے گزرا، تو وہاں سے گانے بجانے کی آواز آئی، میں نے پوچھا کہ یہ آواز کیسی ہے؟ معلوم ہوا کہ فلاں شخص کی شادی ہے، میں گانا سُننے کے خیال سے وہاں بیٹھ گیا، نوعمری کا زمانہ تھا، لیکن بیٹھتے ہی میری آنکھ لگ گئی اور خدا تعالےٰ نے میرے کانوں پر مہر لگادی، پھر جو میں سویا تو خدا کی قسم۔ آفتاب کی گرم گرم شعاعوں ہی نے مجھے بیدار کیا، فوراً اُٹھا، اپنے ساتھی کے پاس پہنچا، ساتھی نے پوچھا، کیا سُنکر آئے میں نے سارا واقعہ اُسے سُنایا۔ دوسرے دن پھر یہی صورت پیش آئی، اس کے بعد پھر میرے دل میں کسی بے ہودہ کام میں شریک ہونے کا خیال بھی نہیں ہوا، سوائے اس موقعہ کے، جس سے خدا تعالےٰ نے مجھے محفوظ رکھا، یہاں تک کہ خدا تعالےٰ نے مجھے منصبِ نبوّت سے سرفراز فرمادیا"۔

(خصائص کبریٰ، ج ۱ ص۸۸)

اس نوجوان کی فطرت میں شرم وحیا کا جو جوہر تھا اُس کا اظہار اس موقعہ پر بھی بڑے حیرت انگیز طریقے پر ہوا جبکہ تعمیرِ کعبہ کے وقت آپ کا تہبند آپ کے چچا حضرت عباسؓ نے کھولا۔

واقعہ اس طرح پیش آیا کہ نبوت سے قبل جب قریش نے کعبہ کی ازسرِ نو تعمیر کی تو اس میں حضورؐ نے بھی حصّہ لیا، حضورؐ دوسرے لوگوں کے ساتھ سر پر پتھر اُٹھا اُٹھا کر لا رہے تھے، چچا (حضرت عباسؓ) نے بھتیجے کو اس حالت میں دیکھکر فرمایا، بیٹا! تہبند کھول کر سر پر رکھ لے، کہیں سر میں کوئی رگڑ نہ لگ جائے، حضورؐ نے چچا کے اصرار سے تہبند کھولا! ستر کا کھلنا تھا کہ آپ بے ہوش ہوکر زمین پر گر پڑے۔

ابوالطفیل کی روایت میں ہے کہ اُس وقت آپ کو غیب سے یہ آواز سُنائی دی:۔

یا محمد عورتک ـــــــــ "محمد! اپنی شرمگاہ کا خیال رکھو"

یہ سب سے پہلی غیبی آواز تھی جو آپ کو سُنائی دی۔

ابن عباس کی روایت میں ہے کہ ابوطالب نے آپ سے پوچھا بیٹا! کیا ماجرا تھا؟ آپ نے فرمایا، مجھے ایک سفید پوشش دکھائی دیا، اس نے مجھ سے کہا، اے محمد! اپنے ستر کو چھپاؤ۔ (ابن سعد باب علامات النبوت صفحہ ۹۳)

غور کیجئے! یہ بداخلاق سوسائٹی میں ایسے بلند اخلاق رکھنے والا نوجوان، یہ شرک و بت پرستی میں خالص خدا پرستی کا متلاشی اور غیر اللہ پرستی سے بیزار ہاشمی لڑکا اپنی ممتاز شخصیت سے کس مستقبل کی خبر دے رہا تھا؟

قتل و غارت گری

معمولی معمولی باتوں پر لڑنا مرنا، قتل و غارت گری پر تیار ہو جانا، عرب کا عام شیوہ تھا، ذرا سی بات پر جنگ شروع ہوتی اور برسوں چلتی رہتی گھوڑدوڑ پر جنگ چھڑی تو دو قبیلوں کے درمیان چالیس سال تک خونریزی ہوتی رہی۔ کسی کی اونٹنی کھیت میں گھس گئی کھیت والے نے اونٹنی کا تھن زخمی کر دیا، بس خون کی ندیاں بہہ گئیں۔

یہ حالت تھی عرب کی، اور یہ سب کچھ عزت اور وقار، باپ دادا کے نام اور سرداری کی لاج رکھنے کے لئے ہوتا تھا۔

ان سفاکوں اور لڑاکوں کے درمیان ایک ہی شخص تھا جو اپنی صلح جوئی اور امن پسندی میں دور دور مشہور تھا، یہ ۳۵ سالہ نوجوان تھا، عہد شباب کے انتہائی جوش کی منزل سے گذر رہا تھا، مگر اتنا صلح کل تھا کہ اپنی مصالحانہ طبیعت سے جنگ و پیکار کی بھڑکنے والی آگ کو سرد کر دیا کرتا تھا۔

عرب میں اس کی عزت کسی بڑے سے بڑے سردار کے مقابلہ میں بھی کم نہ تھی، لیکن یہ نام و نمود سے کوسوں دور بھاگتا تھا۔

حجر اسود کا واقعہ اسی وقت پیش آیا جب کہ آپ ۳۵ سال کے تھے یعنی جب کعبہ کی تعمیر ہوئی تو مختلف قبائل نے کعبہ کے مختلف حصے آپس میں تقسیم کر لئے، تاکہ ہر قبیلہ اس شرف و سعادت میں شریک ہو جائے۔ تعمیر کے بعد جب حجر اسود کے نصب کرنے کا موقعہ آیا تو تمام قبیلوں کے درمیان جھگڑا کھڑا ہو گیا، ہر قبیلہ یہی چاہتا تھا کہ یہ سعادت میرے حصے میں آئے،

بات اتنی بڑھی کہ تلواریں نکل آئیں، خون سے لبریز پیالوں میں انگلیاں ڈبو ڈبو کر قسمیں کھائی جانے لگیں۔

اسی جھک جھک میں چار دن ہو گئے، پانچویں دن قریش کے ایک معمر سردار ابوامیہ بن مغیرہ نے یہ رائے پیش کی کہ بھئی ایسا کرو کہ جو شخص صبح کو سب سے پہلے کعبہ میں آ جائے، اسی کو اس معاملہ میں ثالث قرار دیدیا جائے، سب نے خوشی یہ رائے تسلیم کر لی، صبح کو ہر شخص سب سے پہلے پہنچنے کے ارادہ سے جلدی جلدی گھر سے نکلا، لیکن وہاں پہنچکر کیا دیکھا کہ عرب کا وہ جواں سال و جواں بخت کعبہ میں سب سے پہلے موجود ہے جس کو عبداللہ کا یتیم کہتے ہیں۔

قرارداد کے مطابق آپ کو حق پہنچ گیا کہ اگر آپ حجر اسود کو تنہا نصب کرنا چاہیں تو کر دیں، لیکن آپ کی صلح جوئی اور اتحاد پسندی نے اس کو گوارہ نہ کیا، ارشاد فرمایا، جو قبیلے اپنے آپ کو اس شرف و عزت کا مستحق سمجھتے ہیں، وہ اپنا ایک ایک نمائندہ چن کر مجھے دیں، ادھر آپ نے اپنی چادر مبارک بچھائی، اور اس پر حجر اسود رکھ دیا، پھر ان منتخب نمائندوں سے کہا کہ وہ چادر کے کونے پکڑ کر اٹھائیں اور اسے کعبہ کی دیوار تک لے کر چلیں، جب حجر اسود اپنی جگہ کے پاس آ گیا، تو آپ نے اسے اٹھا کر اس کی جگہ پر نصب کر دیا۔

ہاشمی نوجوان کی اس حسن تدبیر پر بڑے بڑے سردار عش عش کرنے لگے، کیونکہ آپ نے حق دار ہوتے ہوئے بھی ایثار سے کام لیا اور سب کا دل رکھا۔ عرب کی عام روایات میں یہ ایثار اور صلح پسندی اپنی مثال آپ ہی تھی۔

عرب کی مشہور جنگ "حرب فجار" میں آپ نے شرکت فرمائی جاہلیت کی لڑائیوں میں یہ لڑائی سب سے زیادہ خطرناک تھی، قریش اس جنگ میں حق بجانب تھے، پھر خاندان کے ننگ و نام کا بھی معاملہ تھا اس لئے آپ شریک ضرور ہوئے مگر آپ نے کسی پر ہاتھ نہیں اٹھایا۔

مورخین نے لکھا ہے کہ آپ نے اس لڑائی میں جنگ نہیں کی، حالانکہ آپ لڑائی کی عمر کو پہنچ چکے تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ لڑائی ایام الحرام میں

(سیرۃ ابن ہشام، ص ۴۱، طبقات ابن سعد، ص ۸۱)

"نبی اور مصلح میں فرق" کا بقیہ

حلف الفضول میں آپ نے شرکت فرمائی، یہ وہ معاہدہ تھا جس میں قریش نے مظلوم کی حمایت کرنے قسم کھائی تھی، نبوت ملنے کے بعد حضورؐ فرمایا کرتے تھے کہ معاہدہ اس کے مقابلہ میں اگر مجھکو سُرخ رنگ کے اونٹ بھی دے جاتے تو میں نہ بدلتا، اور آج بھی ایسے معاہدہ کے لئے مجھے کوئی بلائے تو میں حاضر ہوں۔

(باقی آئندہ)

قسط نمبر ۵ :-

نبی اور مصلح میں فرق

(مولانا اخلاق حسین قاسمی الدہلوی)

خیانت اور لوٹ مار ایک دوسرے کا مال و اسباب لوٹ لینا عرب کا معمولی کھیل تھا، اکثر قبائل کا تو ذریعہ معاش ہی راہزنی تھی، ایسے ماحول میں امانت و دیانت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، البتہ وہی ایک ہاشمی نوجوان ہے جسے کسی نے کبھی بدمعاملگی کرتے نہیں دیکھا حق تلفی کرتے نہیں پکڑا، اس نے برسوں سوداگری کا پیشہ کیا مگر کسی شخص کا ایک پیسہ بھی ناجائز طریقے سے نہیں لیا، جس سے ایک دفعہ معاملہ کیا اُس کے دل پر اپنی ایمانداری کا سکہ بٹھا دیا، آہستہ آہستہ اُس کی امانت و دیانت پر عوام و خواص سب کا بھروسہ بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ ساری قوم اس کو امین کہنے لگی اور دوست و دشمن سب اس کے پاس اپنا قیمتی مال رکھوانے لگے۔

اب اس کو مکہ کا ہر چھوٹا بڑا آمین کہہ کر پکارتا تھا۔ اور مکہ کا یہ امین عہد کا پکا اور وعدہ کا سچا تھا اور یہ اوصاف اس میں اسی وقت بدرجہ اتم موجود تھے، جب وہ ایک سوداگر وتاجر کی حیثیت سے شام، بصرے اور یمن کے سفر کر رہا تھا عبداللہ ابن ابی الحمسار ایک صحابی بیان کرتے ہیں، کہ بعثت سے پہلے میں نے حضور سے خرید و فروخت کا ایک معاملہ کیا تھا، کچھ معاملہ ہو چکا تھا، کچھ باقی تھا، میں نے وعدہ کیا کہ پھر آؤں گا، پھر اتفاق سے تین دن تک مجھے اپنا وعدہ یاد نہ آیا، تیسرے دن جب میں موقعہ پر پہنچا، تو حضور کو اسی جگہ منتظر پایا، نہ آپ کی پیشانی پر اس وعدہ خلافی کی وجہ سے کوئی بل تھا نہ زبان پر کسی قسم کی شکایت، البتہ صرف اتنا فرمایا "تم نے مجھے تکلیف دی، میں اس جگہ تین دن سے موجود ہوں" (سیرت النبی جلد اول)

حضرت سائب نامی ایک صحابی جب مسلمان ہو کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو لوگوں نے ان کی تعریف کی کہ یہ بڑے اچھے آدمی ہیں، آپ نے فرمایا، سائب کو تم سے زیادہ میں جانتا ہوں، سائب بولے، میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں آپ میرے شریک تجارت تھے، میں نے ہمیشہ آپ کو معاملہ کا صاف پایا، فکنت لا تداری ولا تماری۔

(سیرت النبی ص ۱۲۳)

"امین" (امانت دار) یہ حضور کی وہ صفت ہے جو نبوت سے پہلے مکہ کے بچے بچے کی زبان پر تھی، حضور کی یہ مرکزی صفت دراصل ایک صفت نہیں، آپ کی بہت سی صفات کا سرچشمہ ہے، بہت سی اخلاقی خوبیوں کا مجموعہ ہے۔ دوست دشمن سب آپ کو اپنے مالوں کا بہترین محافظ سمجھتے تھے، لیکن اس میں اس امر کا اعلان تھا کہ ایک وقت وہ آنے والا ہے جب خدا تعالیٰ اپنے بندوں کی جانیں اور مال، ان کے حقوق و املاک اور اُن کی دنیا اور آخرت مکہ کے الامین کی سپردگی و حفاظت میں دیگا، اور یہ اُن سب چیزوں کی ایسی حفاظت کریگا کہ دنیا کے بڑے بڑے شہنشاہ تعجب سے دانتوں میں انگلیاں دیں گے۔

یہی وجہ ہے کہ ہر پیغمبر نے اپنی قوم کو یقین دلایا کہ خدا تعالیٰ نے مجھے امین بنایا ہے، میں جھوٹا اور فریبی نہیں ہوں، جو تمہارے فکر و عمل کی دنیا کو برباد کر دوں، میں نہایت معتبر رسول

ہوں جو پوری ذمہ داری سے خدا کے احکام سے تمہیں باخبر کرتا ہوں۔

خدا تعالیٰ نے نبوت سے پہلے "محمد" کو امین کہلوایا تاکہ زمانہ نبوت میں جب آپ کے بدترین مخالفین آپ کی نبوت سے انکار کریں تو انہیں یہ کہہ کر قائل کیا جائے کہ جس شخص نے تمہارے روپے، پیسے میں آج تک کبھی خیانت نہیں کی، وہ خدا کے احکام اس کے بندوں تک پہنچانے میں کمی بیشی کیسے کر سکتا ہے۔

خدا تعالیٰ نے اسی لئے اپنی شریعت کو "امانت" کہا ہے۔

انا عرضنا الامانۃ علی السموٰت والارض والجبال فابین ان یحملنھا واشفقن منھا وحملھا الانسان۔ (احزاب ۹) "ہم نے امانت آسمانوں پر اور زمین پر اور پہاڑوں پر پیش کی تو انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس سے ڈرے اور انسان نے اس کو اٹھا لیا"

﴿ ﴿ ﴿ ﴿

انبیاء سابقین میں قوم عاد کے پیغمبر حضرت ہود علیہ السلام نے ان الفاظ میں اپنی امانت داری کا اعلان فرمایا۔

ابلغکم رسالٰت ربی وانا لکم ناصح امین۔ (اعراف ۹) "پہنچاتا ہوں تم کو پیغام اپنے رب کے اور میں تمہارا خیر خواہ اطمینان کے لائق ہوں"

حضرت یوسف علیہ السلام جب شاہ مصر کے پاس آئے اور شاہ نے ان سے بالمشافہ بات چیت کی تو دل میں یوسف کی عظمت کچھ تو پہلے ہی سے موجود تھی اب سیاسی، اور اقتصادی معاملات پر ان کی مدبرانہ گفتگو نے شاہ کو اپنا گرویدہ کر لیا، اور اعلان کیا۔

فلما کلمہ قال انک الیوم لدینا مکین امین۔ (سورۂ یوسف ۷) "پھر جب بات چیت کی اس سے کہا واقعی تو نے آج سے ہمارے پاس جگہ پائی معتبر ہو کر"

حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت لوط اور حضرت شعیب علیہم السلام نے جن الفاظ میں اپنے "امین" ہونے کا اعلان کیا وہ سورۂ شعراء میں قرآن نے اس طرح نقل کیا ہے:۔

انی لکم رسول امین فاتقوا اللہ واطیعون۔ (سورۂ شعراء) "میں تمہارے پاس پیغام لانے والا ہوں معتبر، سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو"

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شیخ مدین کی عفت مآب بیٹی نے تو ان الفاظ میں امین کا خطاب دیا ہی تھا:۔

"ان خیر من استأجرت القوی الامین"

لیکن خود نبوت کے بعد حضرت موسیٰ نے بھی ان الفاظ میں امین ہونے کا دعویٰ کیا:۔

ان ادوا الی عباد اللہ انی لکم رسول امین۔ (سورۂ دخان ۱) "حوالے کرو میرے، بندے خدا کے میں تمہارے پاس آیا ہوں بھیجا ہوا معتبر"

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا جامع تبصرہ:۔

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے پہلے کی مبارک زندگی کے آثار و علامات پر حضرت امام ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے "حجۃ اللہ البالغۃ" کے آخر میں ایک نہایت ہی جامع اور مختصر تبصرہ فرمایا ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس تبصرہ پر اس مضمون کو ختم کیا جائے۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں ـــــ، حضورؐ کے اوصاف حمیدہ بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں:۔

اسی طرح خدا تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کو اس قسم کے اوصاف حمیدہ پر پیدا فرماتا ہے اور فطری طور پر پاکیزہ عادات و اطوار کی طرف ان کا میلان ہوتا ہے۔

حضورؐ کی والدہ نے حالت حمل میں یہ خواب دیکھا کہ:۔ ایک نور ان کے اندر سے نکلا جس سے تمام زمین روشن ہوگئی معبروں نے اس خواب کی تعبیر دی اور کہا، تمہارے بطن سے ایک بابرکت لڑکا پیدا ہوگا، جس کا دین مشرق سے مغرب تک پھیل جائے گا۔

جنات نے حضورؐ کی ولادت باسعادت کی خبریں دیں

نجومیوں اور کاہنوں نے آپ کی جلالتِ قدر کی بشارتیں سُنائیں واقعاتِ عالم مثلاً کسریٰ کے محل کے کنگروں کے ٹوٹنے وغیرہ نے پیدائش کی اہمیت پر دلالت کی، آپ کے وجودِ مسعود سے نبوت کی دلیلیں آشکارا ہوئیں، جیسے ہرقل روم نے اُن کی طرف اشارہ کیا، آپ کی ولادت اور رضاعت کے زمانہ میں لوگوں نے برکت کے آثار دیکھے، فرشتوں نے ظاہر ہو کر آپ کے سینۂ مبارک کو شق کیا اور آپ کے دل میں ایمان و حکمت کی روشنی بھردی، شقِ صدر کا یہ واقعہ عالمِ شہود اور عالمِ مثال کے درمیان پیش آیا، اسی لئے شقِ صدر سے آپ ہلاک نہیں ہوئے، البتہ سینہ پر ہلکا نشان باقی رہا۔

یہی صورت پیش آیا کرتی ہے ان تمام واقعات میں جن میں عالمِ مثال اور عالمِ شہود دونوں کے احکام جمع ہوجاتے ہیں۔

حضورؐ جب حضرت ابوطالب کے ساتھ شام کے سفر میں تشریف لے گئے، تو ایک مشہور راہب نے آپ کے چہرے پر اور آپ کے حالات میں نبوت کی علامات پاکر آپ کی نبوت کا اقرار کیا۔

جب حضورؐ جوانی کے کمال کو پہنچے، تو آپ میں ملکیت کے آثار ظاہر ہونے لگے اور فرشتوں کے ساتھ مناسبت و تعلق پیدا ہونے لگا۔ اس کا اظہار کبھی اس طرح ہوتا کہ کوئی غیبی آواز سُنائی دیتی اور کبھی اس طرح ہوتا کہ کوئی فرشتہ جسمانی صورت میں دکھائی دیتا۔

حضورؐ جب جوان ہوگئے تو خدا تعالیٰ نے آپ کے انسانی حوائج پورا کرنے کی یہ سبیل نکالی کہ حضرت خدیجہ کبریٰ کے دل میں آپ کی محبت ڈال دی، اور اُن میں آپ کے ساتھ ہمدردی کا خیال پیدا ہوگیا، حالانکہ حضرت خدیجہ مکہ کی مالدار عورتوں میں سے تھیں، (اور آپ غریب تھے)۔

خدا تعالیٰ کا دستور بھی یہی ہے کہ جب وہ اپنے کسی بندے سے محبت کرنے لگتا ہے، تو اپنے بندوں میں سے کسی بندے کو اُس کا معین و مددگار بنا دیتا ہے۔

تعمیرِ کعبہ کے موقع پر جب آپ نے اپنا تہبند اُتار کر کندھے پر ڈالا، اور اس سے آپ کا ستر کھلا تو آپ اس سے بے ہوش ہوگئے اور بے ہوشی کی حالت ہی میں آپ نے منع فرمایا کہ کہیں شرمگاہ ظاہر نہ ہوجائے۔ یہ نبوت کی ایک طاقت تھی۔ نفس کے مواخذہ کرنے کی ایک صورت یہ بھی ہے۔

اس کے بعد آپ خلوت کو پسند فرمانے لگے، مقامِ حراء میں تشریف لے جاتے اور اس میں کئی کئی رات تک گوشہ نشین رہتے، جب غذا ختم ہوجاتی تو گھر واپس آجاتے، اور پھر کھانا ساتھ لے کر چلے جاتے۔

غلبۂ روحانیت نے دُنیا سے آپ کی توجہ کو ہٹا دیا تھا اور ہمہ تن آپ کا رُخ اُس فطرت کی طرف پھیر دیا تھا جس پر خدا تعالیٰ نے انسانوں کو تخلیق فرمایا ہے۔

منصبِ نبوت پر فائز ہونے سے قبل سب سے پہلے آپؐ رویائے صالحہ میں انکشاف کا سلسلہ شروع ہوا، جو خواب آپ دیکھتے اُس کی تعبیر اس طرح واضح طور پر آپ کے سامنے آجاتی جس طرح صبح کی روشنی۔

یہ بھی نبوت کی طاقت کا ظہور تھا، اس کے بعد پھر باقاعدہ نزولِ وحی کا سلسلہ شروع ہوگیا۔"

(حجۃ اللہ البالغہ جلد دوم صفحہ ۲۰۵)

نبوت سے پہلے انبیاء علیہم السلام کی زندگی میں جو نمایاں اوصاف و استعدادات ہوتے ہیں، ان سطروں میں ان پر مختصر تبصرہ کیا گیا ہے، انہیں غور سے پڑھئے اور پھر فیصلہ کیجئے کہ کیا ایک مصلح اور نبی میں کوئی فرق نہیں ہوتا، اور کیا ہر مصلح یا ریفارمر کو پیغمبر یا رسول کے الفاظ سے یاد کیا جا سکتا ہے۔ ●